© rasailojaraid.com

فتویٰ دینے کے اصول وضوابط

ضبط و ترتیب

مولانا مفتی عظمت اللہ بنوی

مفتی و مدرس جامعہ المرکز الاسلامی پاکستان بنوں

(۱) فتویٰ دینے کے آداب میں سے یہ بھی ضروری ہے کہ مفتی کتب مذہبیہ سے صریح جزئیہ کو تلاش کریں جب تک صریح جزئیہ نہ ملے محض تعلیلات اور تادیلات سے جواب نہ دے۔

(۲) تاہم اگر ضرورت پڑ جائے یعنی کافی تلاش اور تتبع کرنے کے بعد بھی جزئیہ نہ مل سکے تو جواب میں یہ لکھنا مناسب ہوگا کہ جزئیہ نہیں ملا لہذا جواب قاعدے سے لکھا جاتا ہے حضرت تھانویؒ کا یہی طریقہ تھا۔ ''آپ فرماتے ہیں'': قواعد سے جواب لکھتا ہوں تو اس میں احتیاط کرتا ہوں کہ یہ لکھ دیتا ہوں کہ قواعد سے یہ جواب لکھا ہے جزئیہ نہیں ملا''۔(اشرف المعمولات ص ۳۲ بحوالہ تحفۃ العلماء جلد ۲ ص ۲۳۷)

(۳) اور نہ صرف ایک جزئیہ ایک کتاب میں دیکھ کر اس پر فتویٰ دیا جائے بلکہ متعدد کتابیں دیکھنے اور خوب تحقیق کرنے کے بعد فتویٰ دیا جائے اس لیے کہ ممکن ہے کہ اس کتاب میں کوئی غلطی ہوچکی ہے مثلاً شاتم رسول کی توبہ کی قبولیت کے مسئلہ پر کئی کتابوں میں احناف کا مذہب عدم قبولیت کا لکھا ہے حالانکہ احناف کے ہاں اسکی توبہ قبول ہوگی۔(تحقیق از رسالہ ابن عابدین)۔

(۴) جواب ظاہری عبارت کے موافق دینا چاہیئے اگر چہ حقیقت میں معاملہ کچھ اور ہو مگر یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ لکھا جائے کہ بنا برصورت مسئولہ کے مطابق جواب یہ ہے۔

(۵) مفتی کو جواب واضح صریح اور سلیس زبان میں دینا چاہیئے الفاظ کے پیچھے پڑنے سے اصل مقصد فوت ہوجاتا ہے حکیم الامت حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جو سوال کیا جائے اسکا بلا تکلف صاف صاف جواب دینا چاہیئے۔ گول اور پیچیدہ الفاظ ہرگز نہ ہونے چاہئیں تکلف اور تصنع جو آجکل بطور عادت ثانیہ کے ہوگئے ہیں بالکل خلوص کے خلاف اور نہایت تکلیف دہ چیزیں ہیں''۔(ملفوظات اشرفیہ ص ۱۹۸)۔

(۶) جو مستفتی معترض یا معاند ہو اور صرف امتحان یا اعتراض کی غرض سے سوال کرتا ہو عمل کرنے کا مقصد نہ ہو تو اسکا جواب نہیں دینا چاہیئے کہ اس سے خاموشی بہتر ہے مگر مولویوں کو کب آتی ہے جوش اٹھتا ہے جسکو محض اعتراض مقصود ہو اس کو کہہ دینا چاہیئے کہ جاؤ یونہی سمجھو البتہ جواب سمجھانا چاہیئے۔(تحفۃ العلماء جلد ۲ ص ۲۵۲)۔

(۷) ہر مسئلہ پر فتویٰ دینے سے گریز کرنا مناسب ہے بلکہ فتویٰ کا جواب نہایت غور وفکر کے بعد دینا ضروری ہے کہ کہیں فتویٰ مفاسد کے اٹھنے کا ذریعہ نہ بن جائے اگر مفاسد کا خطرہ ہو تو اس سے خاموشی بہتر ہے حکیم الامت فرماتے ہیں کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ کم گوفی نفسہ صحیح ہو مگر مفضی الی المفاسد ہوجاتے ہیں جہاں عوام کو ان کی اطلاع ہونے پر اور آفتیں کھڑی ہوجائیں اس لیے ایسے مسائل کو بیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں کرنا چاہیئے میں نے بہت دفعہ بیان کیا ہے کہ علم دین بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے۔تو یہاں بھی ضرر سے بچانا مقصود ہے۔

(۸) اگر کسی سوالنامے میں کوئی فتنہ انگیز سوال پوچھا گیا ہو مثلاً کسی عالم دین، واعظ یا کسی شخص کا کوئی عقیدہ بیان کر کے اس کے بارے میں سوال ہو تو اس طرح جواب دیا جائے کہ ایسا عقیدہ کسی عالم دین یا مسلمان کا نہیں ہوسکتا اگر اس شخص کا یہ عقیدہ ہو تو وہ خود زبانی یا تحریری لکھ کر پوچھیں یہی طریقہ حکیم الامت کا تھا۔(تحفة العلماء جلد ۲ ص ۴۵۵).

(۹) اگر فتویٰ لمبا ہو اور ایک کاغذ پر جواب تمام نہ ہوتا ہو تو دوسری کاغذ پر لکھنے کے بعد دونوں کاغذات کو مہر کر لیں۔یا دونوں پر دستخط کر لے تاکہ تحریف کا شبہ نہ رہے۔

(۱۰) فتویٰ مختصر اور جامع ہونا چاہیئے طوالت کی ضرورت نہیں، اس لیے کہ فتوی سے غرض مستفتی کو شرعی حکم بیان کرنا ہے مناقشہ مقصود نہیں۔

(۱۱) تاہم جہاں اختصار وضاحت اور بیان مطلوب میں تفصیل ہو تو وہاں طوالت کے ساتھ فتویٰ دینا واجب ہے مثلاً کسی شخص کے کسی موجب کفر عقیدے بارے میں پوچھا جائے تو بغیر بینۂ شرعیہ یا اقرار کے فتوی نہ دیا جائے۔ (اصول الدعوة ص ۱۶۸ المطلب الرابع الفتوی).

(۱۲) فتویٰ دینے میں زمان اور مکان کا خیال رکھنا ضروری ہے کیونکہ زمان اور مکان سے فتویٰ بدل جاتا ہے بشرطیکہ حکم شرعی کسی خاص شہر کے عرف پر مبنی ہو اور جدید عرف نص شرعی کے مخالف نہ ہو یا حکم شرعی کی خاص معنی پر مبنی ہو اور وہ معنی زمانہ کی وجہ سے متغیر ہو جائے۔

(اصول الدعوه ص ۱۶۹ المطلب الرابع الفتویٰ).

(۱۳) ضرورت اور مصلحت کی بناء پر فتویٰ میں سخت الفاظ لکھنا اور سختی کیساتھ فتویٰ دینا جائز ہے۔مثلاً فتویٰ دینے کے بعد یوں لکھا جائے کہ اس بات پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور جو شخص اسکے خلاف کرے گناہ گار ہوگا۔(اصول لدعوہ ص ۱۷۰ المطلب الرابع الفتویٰ)۔

اور اگر جواب نہیں آتا تو صاف الفاظ میں کہے کہ میں نہیں جانتا اس لیے کہ لا ادری بھی نصف علم ہے امام مالکؒ سے اڑتالیس مسائل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے ۳۲ کے بارے میں لا ادری فرمایا۔ (اصول الدعوه ص ۱۵۹).

(۱۴) مفتی فتوی دیتے وقت صریح جزئیہ نقل کریں اور جزئیہ نقل کرنے میں بھی معتبر کتابوں پر اکتفا کریں۔(معین الحکام ص ۳۱).

(۲۱) جس فتویٰ کا تعلق ایمان واقرار یا اس جیسے دیگر امور سے ہو تو جب تک لافظ کے احوال اور عرف یا کسی معتبر ومعتمد عالم سے جو ان الفاظ وعرف کا ماہر ہو پوچھ کر معلوم نہ کریں تب تک جواب نہ دیں۔(شرع المهذب جلد ۴۶).

(۲۲) فتاویٰ میں تساہل کرنا حرام ہے جو شخص تساہل سے کام لیں تو اس سے استفتاء کرنا بھی درست نہیں کیونکہ یہ تساہل میں داخل ہے کہ کما حقہٗ استفتاء دیکھنے سے قبل جواب لکھنے میں جلد بازی نہ کرے اسی طرح جن مسائل کا سائل نے سوال نہ کیا ہو اور مفتی جواب دینے لگے اور اگر سوال کا پہلے سے علم ہو تب تو جواب دینے میں جلد بازی کرنا درست ہے اس طرح تساہل میں یہ بھی شامل ہے کہ حرام اور مکردہ حیلوں کو تلاش کرنے لگے اور درمیان میں کوئی فاسد غرض ہو۔ (شر المهذب ج ۱ ص ۴۶).

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الاشباہ والنظائر میں ہے قولہ:

ا:''اذاسئل المفتی عن شئی الخ ''فی''البزازیۃ''فی أو اخر السادس من کتاب الصلح ما صورتہ:فی ''الخزانۃ'':أن التخارج باطل اذا کان فی الترکۃ دین ولو لم یذکر فی صک التخارج أن فی الترکۃ دینا والا فالصک صحیح، وکذا لو لم یذکر فی الفتوی ،ولکن سئل عن صحۃ التخارج یفتی بالصحۃ،ویحمل علی وجود شرائطھا کما لوذکر فی الفتوی رجل باع مالہ یفتی بالصحۃ، وان احتمل أنہ غیر عاقل ،والأصل فیہ ماذکرہ الأستاذ أن المطلق محمول علی الکمال الخالی عن العوارض المانعۃ من الجواز فالصحۃ بالخلو عن الدین ھو الأصل ،فلا یثبت بلا تعرض علی وجود العارض''.

۲:''المفتی انما یفتی بما یقع عندہ من المصلحۃ، کمافی مھر البزازیۃ الخ ''لعل المراد بالمفتی ھنا المجتھدأما المقلد اذا کان فی المسألۃ قولا ن مصححان فانہ مخیر فی الفتوی بکل واحد منھما،فیختار مافیہ المصلحۃ منھما ھکذا ظھر لی، ثم راجعت عبارۃ ''البزازیۃ''فوجدتہ ذکرہ فی النوع الخامس من المھر مانصہ:وبعد ایفاء المھر المعجل اذا أرادأن یخرجھا الی بلدالغریبۃ مدۃ السفر بلا اذنھا یمنع من ذلک ،لأن الغریب یؤذی أو یتضرر لفساد الزمان''.(الاشباہ والنظائر جلد نمبر ۲ ص ۱۹۴) کتاب القضاء والشھادات والدعوی).

(۱۵) مفتی فتویٰ دیتے وقت غیر مشہور اور غیر معروف کتابوں سے اجتناب کریں ہاں اگر معتبر کتابوں سے ان کی تائید ہوتی ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔

''وعلی ھذاتحرم من الکتب الغریبۃ التی لم تشتھر حتی تظاھر علیھا الخواطرویعلم صحۃ مافیھا.(معین الحکام).''

بالاعبارت کی بناء پر غیر مشہور کتابوں سے فتوی دینا درست نہیں ہے یہاں تک عقل اس کو قبول کریں اور اس کو صحت کا پتہ چل جائے۔

(۱۶) مفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ جواب استفتاء کے مطابق دے استفتاء سے خارج جواب سے پرہیز کریں تاکہ مستفتی کو اصل مقصود حاصل ہو۔ (اصول الدعوہ ص ۱۶۷).

(۱۷) مفتی جب جواب لکھے تو دلیل سے جواب دے تاکہ مستفتی کو اطمینان قلبی حاصل ہوسکے۔

حافظ ابن القیم فرماتے ہیں:'' ان یذکردلیل الحکم ماخذہ امکنہ من ذلک'' کہ مفتی جب فتویٰ لکھنا شروع کرے تو سرورق پر تسمیہ لکھے یا''الجواب وباللہ التوفیق ''علامہ طحطاوی ؒ نے لکھا ہے:کہ''ینبعی ان یکتب عقب جوابہ واللہ اعلم وقیل یکتب فی العقائدواللہ الموفق''.(طحطاوی علی الدرالمحتاج ص ۴۹).

مفتی کیلئے مناسب ہے: کہ جواب اخر میں اللہ اعلم کے الفاظ تحریر کریں اور اگر مسئلے کا تعلق عقائد سے ہوں واللہ الموفق لکھے۔

(۱۹) مفتی کو چاہیئے کہ جواب لکھتے وقت اپنا دل اللہ کی طرف متوجہ کریں اور محتاج محض بن کر اپنے آپ کو خدا کے آگے پیش کریں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کثرت سے دعا کریں "یلیق یالمفتی"، "ان یکثر الدعاء" (اعلام ج ٢ ص ١٧٢).

(٢٠) مفتی کو چاہیئے کہ متغیر خلق اور اشتغال قلب کی حالت میں فتویٰ نہ دیں مثلاً غصہ کی حالت اس طرح غمی خوشی تکلیف، غلبۂ نیند اور بھوک و پیاس کی حالت یعنی ہر اس حالت میں جس میں طبیعت اعتدال سے نکل جاتی ہے۔ فتویٰ دینا جائز نہیں البتہ اگر اعتدال سے نہ نکلیں تو پھر بعض ایسے حالات میں فتویٰ دینا جائز ہے۔ (شرع المهذب ج ١ ص ٤٦).

(٢٣) مفتی جب فتویٰ مکمل کریں تو اپنے ہم نشین علماء فضلاء کو چاہیئے (وہ اسکے شاگرد ہی کیوں نہ ہوں) بطور مشورہ کے سنائے، اگر اشکال ہو تو نرمی اور انصاف کے ساتھ ان سے بحث و مباحثہ کرے اور جو حق بات سامنے آئے اسے بلا تامل قبول کرے۔

(مقدمه شرح مهذب، فصل آداب المستفتی و المفتی).

(٢٤) اگر فتویٰ میں کسی کتاب کی عبارت نقل کی ہو تو اس کتاب کی جلد نمبر صفحہ نمبر اور اگر ہو سکے باب اور فصل بھی تحریر کرے، اور اگر اس کتاب کے مختلف الطبع نسخے ہوں تو مطبع (پریس) کا نام بھی تحریر کرے۔

(٢٥) اگر کسی کتاب کی عبارت دوسری کتاب میں دیکھی ہو تو اولاً تو خود اس کتاب میں دیکھ کر نقل کرے۔ ورنہ بصورت دیگر اس کتاب کی عبارت بحوالہ کتاب ثانی لکھے۔ مثلاً ایک مسئلہ مفتی نے امداد الفتاویٰ میں بحوالہ شامی دیکھا ہے اور شامی مفتی کے پاس ہے ہی نہیں، تو وہ مسئلہ کے جواب میں تحریر کرے۔ (هکذافی ردالمختار بحواله امداد الفتاویٰ).

(٢٦) مفتی جواب دینے میں میانہ روی سے کام لے نہ بہت باریک لکھے اور نہ بہت جلی اور نہ ہی ایک جواب میں مختلف قسم کی روشنائی سے جواب لکھے۔ تاکہ جعل سازی کا احتمال نہ رہے بلکہ ایک ہی قسم کی قلم اور روشنائی سے جواب لکھے۔

(مقدمه شرع مهذب ج ا س ١٢ آداب المفتی).

(٢٧) جواب لکھنے میں استفسارات کی ترتیب کا خیال رکھے، یعنی جو پہلے سے اس کا جواب پہلے دے علی ھذا الترتیب، البتہ مسافر اور خواتین کا لحاظ رکھ سکتا ہے جبکہ تاخیر کرنے سے ان کا نقصان ہو رہا ہو۔ (البحر الرائق جلد ٦ ص ٢٦٨).

(٢٨) اگر استفسار یعنی سوال کے درمیان یا آخر میں جگہ خالی ہو جس میں جعلسازی ہو سکتی ہو۔ تو مفتی از خود وہاں نکتے (-----) یا اس (xxxx) کا نشان لگادے تاکہ جواب دینے کے بعد کوئی شخص اسمیں جعلسازی نہ کر سکے، جو آئندہ کسی فتنہ اور فساد کا باعث نہ بنے اگر سوال کے مختلف اجزا ہوں تو مفتی اجزا کی ترتیب کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ نمبروار جواب لکھے تاکہ مستفتی پر التباس نہ آئے اور اگر بالفرض تحریری جواب مین فتنہ اور فساد کا اندیشہ ہو مثلاً مسئلے کا تعلق قضاء کے ساتھ ہو یا تحریری جواب دینا لازمی نہیں اگر کسی واقعے کا بذات خود مفتی کو علم ہو اور استفسار واقع کے خلاف ہو تو اس صورت میں جواب دینے سے گریز کریں اور از سر نو صحیح صورت حال کے موافق سوال ہو جائے تو جواب تحریر کریں اسلئے کہ بعض اوقات لوگ محض دنیاوی اغراض کی تکمیل کیلئے فتویٰ کی آڑ لیتے ہیں جس سے فتنے کا سخت اندیشہ ہوتا ہے۔ (فتویٰ نویسی کے رهنما اصول ص ٣٨).

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۹) اگر مفتی کے سامنے کوئی ایسا مسئلہ پیش آئے جو دو فریقوں کے درمیان متنازع ہو اور وہ نزاع بھی مشہور ہو تو اسے چاہیئے کے کسی حیلہ سے کام لے کر اس سے اپنا دامن چھڑا لے اور اس طرح کے مسائل میں الجھنے سے پرہیز کریں۔

(۳۰) اگر مستفتی کی نیت استفسار کی نہ ہو بلکہ اعتراض کی ہو تو اس کو بالکل جواب نہ دیں۔

(۳۱) اگر مفتی کے پاس وارثت کا مسئلہ آجائے تو اس میں بہت احتیاط سے کام لیں اس لئے کہ میراث کا مسئلہ بسا اوقات نزاع اور جھگڑا کا باعث بن جاتا ہے لہٰذا اچھی طرح تحقیق کر کے مستفتی سے ورثاء کی تعداد معلوم کر کے جواب لکھیں اور آخر میں یہ چند الفاظ لکھیں۔

''بنا بر صحت واقعہ مذکورہ اگر ورثاء کی تعداد صورت مسئولہ کے موافق ہے تو جواب یہ ہوگا تا کہ مفتی عند اللہ اور عند الناس ماخوذ نہ ہو اور جملہ ورثاء کے حصص کو الگ الگ کر کے لکھیں۔

(۳۲) اپنے دیئے ہوئے فتوے کی ایک نقل اپنے پاس رکھے تا کہ بوقت ضرورت فتنہ سے بچنے کا ذریعہ بنے اور ایک علمی سرمایہ بھی تیار ہو جائے۔

(۳۳) مفتی کو چاہیے کو مسئلہ کا جواب لکھے اور پھر اس پر نظر ثانی کریں تا کہ خلط والتباس سے جواب بچ جائے اور اگر تصحیح کی ضرورت ہو تو جواب کو درست کیا جائے۔ (شرح المھذب جلد اص ۱۲)۔

تو فتویٰ دینے میں ان جملہ امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے بغیر اس کے فتویٰ صادر کرنا اکثر فتنے اور فساد کا باعث ہوتا ہے جبکہ اسلام نے فتنہ اور فساد سے منع کیا ہے۔

مفتی اور مستفتی کے لئے مزید اصول و آداب:

شیخ ابن صلاح فرماتے ہیں کہ جو شخص اہلیت فتویٰ کے ساتھ مشہور نہ ہو تو اس سے فتویٰ نہیں لینا چاہیئے۔

'' ولا یجوز لہ استفتاء کل من اعتری الی العلم او انتصب فی منصب التدریس او غیرہ من مناصب اھل العلم بمجرد ذلک''. (فتاویٰ ابن صلاح)

اور جو اہلیت فتویٰ کے ساتھ مشہور ہو تو:

''ویجوز لہ استفتاء من تواند بین الناس واستفاض فیھم کونہ أھلا للفتوی''. (اداب المفتی والمستفتی ۱/۸۵، ۸۶ . (۲) ایضاً.

پس مستفتی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اہلِ فتویٰ سے جواب طلب کریں:

۳: مفتی کے سامنے ادب واحترام سے بیٹھیں گفتگو میں تیزی سے کام نہ لیں اور ہاتھ سے مفتی کے چہرے کی طرف اشارہ نہ کریں:

۴: استفتاء کے وقت مفتی سے یہ نہ کہے کہ اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے یا اس کے بارے میں آپ کے امام یا امام شافعی کا کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مذہب ہے بلکہ مفتی کے سامنے اپنا حادثہ پیش کریں اوراس کا حل پوچھیں ہاں اگر حادثہ کسی امام معین کے مذہب کے بارے میں دریافت کرنا ہوتو تب یہ کہنا بجا ہے کہ اس بارے میں فلان امام کا کیا مذہب ہے:

۵: مفتی کے جواب کے بعد یہ نہ کہے کہ میرا بھی یہی خیال ہے یا میری بھی یہ رائے ہے۔اور یہ بھی نہ کہے کہ فلاں شخص نے بھی یہ کہا تھا۔اور یہ بھی نہ کہے کہ اگر آپ کا فتویٰ فلاں شخص کے فتویٰ کے موافق ہوتو پھر لکھو ورنہ نہ لکھو۔

۶: مستفتی جواب کو مفتی کے حالات (قیام، حالت اونگھ یا کسی دوسری حالت میں) نہ پوچھیں جس وقت مفتی کا دل کسی اورکام میں مشغول ہو۔

۷: اگر تحریراً سوال کرنا ہوتو ایسے کاتب سے لکھوائے جو غرض سوال کو پوری طرح واضح کرے اور خط صاف ستھرا اور خوشخط ہو۔

۸: مستفتی کے اداب میں یہ بھی داخل ہے کہ مفتی سے دلیل فتویٰ کا مطالبہ نہ کرے البتہ اگر مطالبہ کرے تو کسی دوسری مجلس میں کرے یا اسی مجلس میں دلیل کا مطالبہ کریں لیکن اس کے فتویٰ کو قبول کرکے بعد میں پوچھے۔(مقدمہ شرح المذھب ۱/ ۶۸)۔

۹: اگر مستفتی کو وہ حادثہ دوبارہ یاد آجائے تو کیا دوبارہ مفتی سے معلومات کریگا یا نہیں۔اس کے بارے میں شیخ ابن الصلاح نے دو آراء نقل کیے ہیں۔

۱: مستفتی کے ذمہ دوبارہ دریافت کرنا ضروری ہے۔اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ مفتی کی رائے تبدیل ہوچکی ہو۔

۲: دوسری رائے یہ ہے کہ مفتی اکثر اپنی پرانی رائے پر قائم ہوتا ہے۔اس لئے مستفتی کو پوچھنا لازمی نہیں اور یہی قول صحیح ہے۔(اداب المستفتی ۱/ ۹۰)۔

۱۰: شیخ ابن الصلاح فرماتے ہیں:

"ینبغی ان تکون رقعة الاستفتاء واسعة لیتمکن من الا ستفتاء الجواب". (آداب المستفتی ۱/ ۹۱)

بڑے ورق کی ضرورت اس لئے ہے کہ جواب قدرے تفصیلی ہوتا کہ خدشات باقی نہ رہیں۔اس لئے کہ چھوٹے ورق میں جواب مختصر ہوگا جو کبھی کبھی مطلب کو حل نہیں کرتا اور یہ مستفتی کو ضرر رساں ہے۔اس لئے استفتاء بڑے ورق پر لکھنا ضروری ہے۔

۱۱: استفتاء میں دعائیہ کلمات لکھنا چاہیئے اگر کسی شخص معین سے سوال کرنا مقصود ہوتو خاص اس کو دعائیہ کلمات لکھے ورنہ دعائیہ کلمات عمومی الفاظ میں تحریر کرے:

۱۲: اگر فوراً جواب مطلوب ہوتو مستفتی رقعہ کھول کر مفتی کے سامنے رکھے اس کو کھولنے کی تکلیف نہ دے اور نہ اس کو بند کرنے کی تکلیف دے۔

۱۳: اگر مستفتی کسی حادثہ کا حل مختلف مفتیان سے کرانا چاہے تو اولاً بڑے عالم کے سامنے پیش کرے پھر وہی رقعہ مع الجواب دوسرے عالم کو بھیجے البتہ اگر ہر ایک سے الگ الگ جوابات لینے کا ارادہ ہوتو پھر ترتیب ضروری نہیں۔

۱۴: اگر مفتیان کے جواب میں اختلاف ہوتو مستفتی کے لئے بقول علماء کے سخت فتویٰ پر عمل کرنا چاہیئے اس لئے کہ وہ احوط ہے۔اور بقول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض علماء کے اخف اور آسان فتویٰ پر عمل کرنا چاہیئے اس لئے کہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور بقول بعض خود اجتہاد اور سعی کرکے ان ہی میں سے اعلم کا فتویٰ اختیار کرے اسی کو علامہ سمعانی کبیر نے اختیار کیا ہے اور بقول بعض کے دوسرے مفتی سے پوچھے جس کے ساتھ اس تیسرے مفتی کا فتویٰ موافق ہوتو اسی پر عمل کرے۔

فتویٰ وترجیح:

فقہی مسائل وجزئیات بہت سارے ہیں جن میں بعض دوسرے کے مخالف اور معارض ہیں۔اس اختلاف اور تعارض کو فقہاء کے طبقے اصحاب الترجیح نے رفع کیا ہے بعض کو راجح قرار دیکر قابل عمل قرار دیا ہے۔

اور دوسرے کو مرجوح قرار دیا ہے تاکہ لوگ اس سخت اور مشکل دلدل سے نکل آئیں۔ان فقہاء میں تو بعض حضرات مثلاً اصحاب متون نے تو اپنے اوپر لازمی کیا ہے کہ وہ مسائل ذکر کرینگے جو راجح اور مفتی بہ ہوں۔اس ترجیح کے لئے ان حضرات نے کوئی ظاہری علامت نہیں لگائی صرف التزام وجہ الترجیح ہے۔اور بعض حضرات نے التزام نہیں کیا اس لئے ترجیح کے لئے ظاہری علامات ذکر کیے ہیں:

وہ ظاہر علامات یہ ہیں:

علیہ الفتویٰ	والا حتیاط: العمل قوی الدلیلین (اھ در المختار ۱/ ۲۸۴)
وبہ یفتی	وبہ ناخذ
علیہ الاعتماد	علیہ عمل الیوم
علیہ عمل الأمة	ھو الصحیح ھو الاصح
ھو الاظھر	ھو المختار فی زما ننا

ھو فتویٰ مشائخنا ھو الاشبہ ای الاشبہ بالمنصوص روایة

والراجح درایة فیکون علیہ الفتویٰ اہ .(شامی ۱/ ۱۸۴) ھو الا وجہ

وبہ اخذ علماء نا	وبہ ناخذ	ھو المتعارف ای الاظھر وجھا
ھو الظاھر	وبہ یعتمد	علیہ فتویٰ مشائخنا
وبہ جری العرف	ھو المختار	وھو الا حوط .

یہ علامات ہیں جو مدخول بھا جزئیہ کو قابل ترجیح بناتا ہے:

مشتقة من المفتی وھو الثاب القوی وسمیت بہ لا ن المفتی یقوی السائل.

بالجواب حادثة: (۲) علیہ عمل الیوم :المراد بالیوم مطلق الزمان وال فیہ للحضور ، والا ضافة علیٰ معنی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فی، واضافۃ المصدر الیٰ زمانہ کصوم رمضان ای قال البیری فی حاشیۃالأشباہ :اقول :وکذالک الظاھر والأظھر ثم ان الا ظھر یراد بمعنی الأصح کما ذکرہ المصنف فی الوکالۃ من شرحہ علیٰ الکنز وذکر فی الدعویٰ من شرحہ ان لفظ اوجہ وأحسن من تصحیح وفی الخلاصۃ ذکر فی کتاب الحیطان :وما ذکرالافی حد القدیم فی غایۃ الحسن:وظاھر انہ من الفاظ التصحیح اہ. بقر من الفاظ التصحیح الا حوط أی ادخل فی الاحتیاط والا حتیاط العمل بأقوی الدلیلین .(حاشیۃ البیری علیٰ الاشباہ ۲/ ۲۵۵، ۲۵۶. قواعد وفوائد مشتق فن الجمع والفروق من ابواب متفرقہ")۔

تفاوت بینھم:

ان الفاظ ظاہرہ اور علامات الترجیح میں بعض علامات بعض سے مؤکد ہیں:

مثلاً جن علامات میں لفظ فتویٰ آئے جیسے علیہ الفتویٰ ۔ وبہ یفتی وغیرہ تو یہ علامت دیگر علامات مثلاً لفظ صحیح ۔ اصح وغیرہ سے زیادہ مؤکد ہیں ۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ:" لفظ وبہ فاخذ،علیہ عمل الیوم علیہ عمل الائمہ" بھی لفظ فتویٰ کے مساوی ہے لہٰذا یہ الفاظ بھی دیگر علامات سے قوی ہیں۔ (شامی ۱/ ۷۳).

اسی طرح بہ یفتی کی علامت الفتویٰ علیہ سے زیادہ مؤکد ہے اس لئے کہ بہ یفتی یا علیہ الفتویٰ میں تقدیم خبر حصر ہے:

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ علیہ الفتویٰ یا بہ یفتی میں احصار ہے معنی یہ ہے کہ یہ علامات دیگر علامات سے زیادہ قوی ہے اسی طرح لفظ احوط لفظ احتیاط سے زیادہ مؤکد ہے:۔

"ان الفتویٰ لاتکون الا بذلک والثانی یفید الاصحیۃ. (شامی ۱/ ۷۳).

صحیح اور اصح میں تفاوت:

جس طرح علامات بعض سے زیادہ مؤکد ہیں تو اسی علامات میں بعض علامات صحیحہ میں صحیح قوی ہے اصح سے ۔ اس لئے کہ اصح اسم تفضیل کا صیغہ ہے جس میں یہ احتمال ہوسکتا ہے کہ اس کے علاوہ بھی کوئی دوسرا قول صحیح ہے مگر" ھو الصحیح "میں یہ احتمال نہیں۔

اس لئے علامہ ابراہیم الحلبی فرماتے ہیں کہ:

اذا تعارض امامان معتبرأن فی التصحیح فقال احدھما الصحیح کذا وقال الآخر الاصح کذا فالا خذ بقول من قال الصحیح اولی من الا خذ بقول من قال الاصح لا ن الصحیح مقابلۃ الفاسد والا صح مقابلۃ الصحیح فقد وافق من قال الاصح قائل الصحیح علی انہ صحیح واما من قال الصحیح فعندہ ذلک الحکم الاخر فاسد فالأ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حدیثهما اتفقا علی انه صحیح اولی من الأخذ بما هو عند احد هما فاسد . (کبیری ص ۵۸).

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ

"قلت والعلة لاتختص هذين اللفظين بل كذلك الو جيه الاوجه والا حيتاط والا حوط". (شامی ج ۱/۸۳)

یعنی صیغہ اسم تفضیل سے مقابلہ کی صورت میں صفت مشبہ زیادہ قوی ہوتی ہے۔اس لئے مذکورہ علت کہ اسم تفضیل میں دیگر کی صحت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ دوسرا بھی ان کے ساتھ صحت میں شریک ہوتا ہے لیکن فرق صرف اتنا ہے کہ اسم تفضیل بنسبت دوسرے کے زیادہ قوی ہے۔مگر صفت مشبہ کے صیغے میں صرف اپنی قوت کا اثبات نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کی نفی بھی ہوتی ہے۔اس لئے" علامہ حصکفی فرماتے ہیں کہ:"ثم رایت فی رسالة اداب المفتی:

اذا رواية فی كتاب معتمد بالا صح أو اولى اوالا وفق او نحوها فله ان يفتى بها وبمخا لفها ايضاً أی شاء واذ بالصحيح او الما خوذبه او وبه يفتى او عليه الفتویٰ لم بمخالفته". (لدرالمختار ۱/۱. ۷۴).

اور قواعد الفقہ میں ہے:

من آداب الفتوی كون المفتی حافظا للترتيب و العدل بين المستفتين ولا يميل الى الاغنياء والامراء ب يكتب جواب من سبق غنيا كان او فقيرا حتى يكون ابعد من الميل ومن الادب ان لايرمی بالكاغذ كما اعتاد بعض الناس لان فيه اسم الله فالتعظيم واجب وكان اوفقيربعضهم لايأخذ الرقعة من يد امرء ة ولا صبی وكا له تلميذ يأخذ منهم ويجمعها وير فعها فيكتبها تعظيما للعلم والا حسن اخذ المفتی من كل واحد تواضعاوم الادب ان يأخذ الورقة بالحرمة ويقر ء المسئلة بالبصيرة مرة بعد اخرى حتىٰ يتضح له السوال ثم يجيب و ينبغی بشئی لم يفهمه وقد صح عنه صلى الله عليه وسلم انه قال من افتى بفتيا من غير ثبت فانما اثمه على م افتاه (هندية، مسند، احمد دارمی، ابن ماجة).

الواجب على المفتی فی هذا الزمان المبالغة فی ايضاح الجواب لغلبة الجهل فلا يجيب على الاطلا والارسال و كذا يجتنب عن الالغاز لكن ينظر ويتفكر فان كان من جنس ما يفصل من جوابها فليفعل وليجه حرفا حرفا. (مفتاح .اصولكرخی ، سراجية).

فی المسائل الدينية التی اجمع عليها اهل السنة والجماعة ينبغی ان يكتب والله الموفق اوبا لله التوفيق ا بالله العصمة (هندية).

اذا اجاب المفتی ينبغی ان يكتب عقيب الجواب والله اعلم او نحو ذالك . (هندية).

......☆☆✩☆☆......

© rasailojaraid.com